شمارہ ۹/71

در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

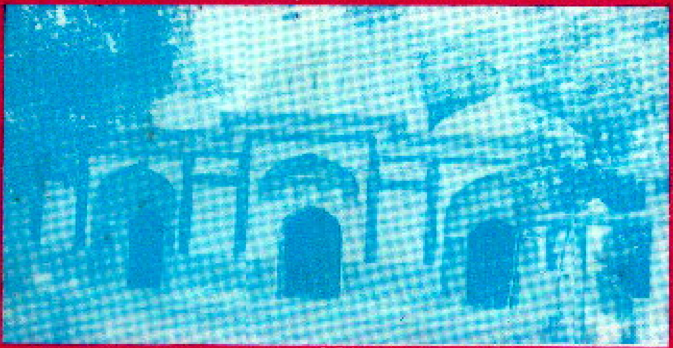

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگارِ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر | پی ۲۶۹

مدیر اعلیٰ
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

ماہنامہ
الحسن پشاور

منتظم اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۱۷ | جلد نمبر ۶

یکم اکتوبر ۱۹۹۵ء | ۵ جمادی الاول ۱۴۱۶ھ

مدیر اعلیٰ فقیر محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے
طبع کر کے یکہ توت پشاور سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مصنف	صفحہ
۱-	شذرہ (ساداتِ کرام توجہ فرمائیں)	مدیر اعلیٰ	۲
۲-	محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نعت شریف	جناب آفاق صاحب کیفی	۴
۳-	تفسیر القرآن الحسنیہ	مدیر اعلیٰ	۶
۴-	انوارِ علی المرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ الکریم)	مدیر اعلیٰ	۸
۵-	تجلیاتِ غوثیہ	مدیر اعلیٰ	۱۰
۶-	غزل	حضرت علامہ نصیر الدین صاحب نصیر گیلانی	۱۴
۷-	تسخیرِ کائنات	الحاج صوفی مشتاق احمد	۱۵
۸-	استفتاء مع الجواب	حضرت علامہ مفتی خلیل الرحمٰن صاحب	۲۲
۹-	ادب کا ہے پست زیرِ آسمان...	الحاج علاء الدین عدیم (ایم اے)	۲۸

شذرہ

ساداتِ کرام توجہ فرمائیں

مدیر اعلیٰ

پشاور شہر کے چند معزز اور صاحبِ دل ساداتِ کرام نے وقت کی ایک نہایت اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے دو سال قبل سادات کو بیدار کر کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا پروگرام بنایا اس سلسلے میں جمعیتِ سادات کے نام سے ایک جماعت کا قیام عمل میں آیا جس کے انتظام وانصرام کے لئے مجلسِ شوریٰ قائم کی گئی اور بارہ اغراض و مقاصد متعین کیے گئے جن میں مرکزی و محوری نقطہ ساداتِ کرام کے بچوں کی تعلیم و تربیت قرار پایا، یہ جماعت ہر قسم کے سیاسی و مسلکی اختلافات سے بالاتر رہ کر آلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و اولادِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یکجا و متحد کرنے کی کوشش کرے گی۔

چنانچہ پشاور کے مختلف مقامات پر ہر ماہ باقاعدگی سے جمعیتِ سادات کے ماہانہ اجلاس منعقد ہوتے رہے جن میں یہ پروگرام سادات تک پہنچایا جاتا رہا انھیں اتفاق و اتحاد کی دعوت دینے کے علاوہ اخلاق و کردار کا ایک مثالی نمونہ بننے کی تلقین کی جاتی رہی نیز شادی بیاہ کے مواقع پر غیر اسلامی اور فضول رسوم و رواج سے پرہیز کرنے اور نمود و نمائش و اسراف و تبذیر سے بچنے کا درس دیا جاتا رہا۔

غریب اور نادار سید بچوں اور بچیوں کو سالانہ وظائف بھی دیئے گئے اور یہ سلسلہ الحمدللہ جاری و ساری ہے۔ نیز میٹرک کے امتحان میں اوّل، دوم و سوم آنے والوں کو بھی انعامات سے نوازا جاتا رہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ جمعیتِ سادات نے ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی جہاں عصری تقاضوں کے مطابق سائنسی و فنی تعلیم کے علاوہ دینی علوم کی تدریس کا بھی خاطر خواہ اہتمام موجود ہو چنانچہ اس مقصد

کے لیے "سادات ماڈل سکول" کے نام سے ایک منصوبہ تیار کیا گیا ہے جس پر عمل درآمد کے لئے صاحبِ ثروت اور مخیّر ساداتِ کرام کے تعاون کی اشد ضرورت ہے ہمیں قوی اُمید ہے کہ حضراتِ سادات کرام اس تعلیمی منصوبے کی تکمیل اور جمعیّت سادات کے دیگر گراں قدر مقاصد کے حصُول کے لئے سخنے، قدمے اور درہمے حصّہ لے کر اپنا قومی فریضہ پُورا کریں گے۔ اِن شآءَ اللّٰہ سادات کی اس تعلیمی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء آسمانِ علم کے تابناک ستارے اور ملک و قوم کا بہترین سرمایہ ثابت ہونگے۔

اس ضمن میں جمعیّت سادات کا دُوسرا عظیم الشان سالانہ کنونشن ۳؍ نومبر ۱۹۹۵ء بروزِ جُمعہ، صبح ۹ بجے نشتر ہال پشاور میں منعقد ہو رہا ہے۔ ہم جمعیّتِ سادات اور شاہ مُحمّد غوث اکیڈمی (رحمۃ اللّٰہ علیہ) کی طرف سے پاکستان بھر کے سادات کرام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ سادات کی عزّت و نامُوس اور سر بلندی کے لیے جوق در جوق اس کنونشن میں قدم رنجہ فرما کر اپنی غیرت و حمیّت کا اظہار فرمائیں اور یہ ثابت کر دیں کہ ۳؍ نومبر ساداتِ کرام کا دِن ہے۔

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ جمعیّتِ سادات کے مجوزہ مقاصد کی تکمیل کوئی آسان کام نہیں لیکن اپنے سادات بھائیوں کی تائید و حمایت سے ان کا حصُول ناممکن بھی نہیں اگر ساداتِ کرام کا تعاون شاملِ حال رہا تو جمعیّتِ سادات کا یہ قافلہ اپنی منزلِ مقصُود کی طرف رواں دواں رہے گا۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

از آقائے آفاق کیفی

جہاں ذکرِ خدا ذکرِ محمد مصطفیٰ ہوگا
حقیقت میں دلِ مضطر وہی حق آشنا ہوگا

مٹے گی قلب سے حرص و ہوس کی جو سیاہی ہے
مصفّا ذکرِ احمد سے نظر کا زاویہ ہوگا

ملے گا کیفِ روحانی فضائے ذکر میں تم کو!
ہر اک تارِ نفس سوزِ دروں سے آشنا ہوگا

مچل اُٹھے گا ان حالات میں پھر حسنِ فطرت کا
بہارِ عشق میں جام و سبو کا معرکہ ہوگا

شرابِ عشق رندوں کو ملے گی چشمِ ساقی سے
سرور و کیف و مستی کا عجب اک سلسلہ ہوگا

ادب کی بزم میں مردانِ حق جلوہ نما ہونگے
کوئی صوفی کوئی عارف فقیرِ باخدا ہوگا

دلِ ناداں سنبھل کر تم بھی رہنا خدا انکہ
رسولِ ہاشمی اس بزم میں جلوہ نما ہوگا

ولی ابدال، قطب و غوث، اوتاد و قلندر بھی
مُریدانِ عقیدت مند کا ہر پیشوا ہوگا!

فرشتے پیکرِ اخلاص بن کر جلوہ گر ہوں گے
زمیں تا آسماں اُس بزم میں نُورِ ضیا ہوگا

سکُون و راحتِ قلب و نظر مل جائینگے سب کو
محمدؐ مصطفیٰؐ کی بزم پر ظلِّ الٰہ ہوگا

زری زربفت ہوگا اس کی تاریں نور کی ہونگی
جنابِ سرورِ کونین کا جو بوریا ہوگا

بچھونا قیمتی ہے آپ کا کمخواب و اطلس سے
کبھی رُوح الامیں نے بھی اُسے بوسہ دیا ہوگا

رسول اللہ کی جائے نشیں اتنی مقدس ہے
فرشتوں نے اُسے حُسنِ ادب سے چھُو لیا ہوگا

جھُکے ہیں کج کلاہوں کے ادب سے آستاں پر سر
جہانگیرِ زماں اُس در کا ادنیٰ سا گدا ہوگا

کروڑوں عارفانِ حق یہاں خاک نشیں دیکھے
کہ جن کا حلقۂ احباب میں کیا مرتبہ ہوگا

بروزِ حشر کیا ہوگا ہمیں اس کا نہیں خدشہ
محمدؐ کے وسیلے سے خدا کا آسرا ہوگا

جلا کر کیفی ساری کشتیاں ہم در پہ آ بیٹھے
خُدا کا ذکر اب ذکرِ حبیبِ کبریا ہوگا

تفسیر القرآن الحسنیہ

از مدیر اعلیٰ

وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾

اور (یاد کرو) جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لیے قُلزم کو پس ہم نے تمہیں بچالیا اور متبعین فرعون کو غرق کردیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے۔

لُغت:۔ فَرَقْنَا: ہم نے پھاڑ دیا، ہم نے الگ الگ کردیا۔ یہ جمع متکلّم واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اَلْبَحْرُ: دریا، سمندر، بحر اصل میں اس وسیع مقام کا نام ہے جہاں بہت کثرت سے پانی ہو اور اس اعتبار سے سمندر کو بحر کہتے ہیں، سمندر میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک پانی کی کثرت و وسعت اور دوسری نمکینی و کھاراپن، ان ہی دونوں مفہوموں کے لحاظ سے کبھی بحر کا استعمال کسی چیز کی زیادتی اور وسعت کے متعلق ہوتا ہے اور کبھی ملاحت و نمکینی کے سلسلہ میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لیکر جس سمندر کو پار کیا تھا وہ بحر احمر (قلزم) تھا۔[1] وَاَنْتُمْ: اس حال میں کہ تم، دراں حالیکہ تم یہاں پر واؤ حالیہ ہے۔

تفسیر:۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہٗ و عزّ اسمہٗ وجلّ مجدہٗ کی طرف سے بنی اسرائیل کو خطاب کا سلسلہ جاری ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں انھیں وہ تاریخی واقعہ یاد دلایا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے بچانے کے لیے راتوں رات مصر سے نکل کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے تو فرعون کو ان کی روانگی کا علم ہوگیا۔

---

[1] عبدالرشید نعمانی، لغات القرآن، ندوۃ المصنفین دہلی ج ۲ ص ۲۳

اور وہ بھی اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ اُن کے تعاقب میں نکلا۔ بنی اسرائیل یہ صورتِ حال دیکھ کر گھبرا گئے کہ سامنے بحرِ قلزم ہے اور پیچھے فرعون چلا آرہا ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے لئے معجزانہ طور پر بحیرۂ قلزم کے پانی میں راستہ بنا دیا اور بنی اسرائیل نے بخیر و عافیت اسے عبور کر لیا۔ فرعون اور اس کے لشکر نے بھی ان کا پیچھا کرتے ہوئے اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیئے۔ لیکن جونہی وہ اس کے وسط میں پہنچے تو دونوں طرف پانی کی تھمی ہوئی موجیں حرکت میں آگئیں اور سمندر اپنی اصل حالت پر واپس لوٹ آیا۔ اور یوں چند لمحوں کے اندر اندر فرعون اور اُس کا تمام لشکر پانی میں غرق ہو گیا بنی اسرائیل کنارے پر کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے

دراصل یہ تاریخی حقیقتِ ثابتہ بیان کر کے بنی اسرائیل کو بتایا جا رہا ہے کہ تم پیغمبرِ اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ تاکہ تم اس عذاب اور تباہی سے بچ جاؤ جو کفار و مشرکین کا مقدر ہو چکا ہے۔

مشہور مفسرِ قرآن حضرت علامہ نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کنز الایمان کے حاشیے پر اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ غرق محرم کی دسویں تاریخ کو ہوا حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکر کا روزہ رکھا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک یہود اس دن کا روزہ رکھتے تھے حضور نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کی خوشی منانے اور اس کی شکر گزاری کرنے کے ہم یہود سے زیادہ حقدار ہیں۔ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ عاشورہ کا روزہ سنت ہے۔ مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء پر جو انعام الٰہی ہو اس کی یادگار قائم کرنا اور شکر بجا لانا مسنون ہے۔ مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے امور میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کی یادگار اگر کفار بھی قائم کرتے ہوں جب بھی ان کو چھوڑا نہ جائے گا۔[۱]

---

[۱] کنز الایمان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ص۱۵

گذشتہ سے پیوستہ

انوارِ علی کرم اللہ وجہہ

از مدیر اعلیٰ

حدیث ۱۶۱/۱۷ اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیٰی یعنی ابن سعید قال حدثنا موسیٰ الجهنی قال دخلت علی فاطمۃ بنتِ علیٍ فقال لها وقفنی هل عندکِ شیئٌ عن والدکِ فثبت قالت حدثنی اسماءُ بنتِ عمیسٍ انّ رسول اللہِ صلی اللہ علیہِ والہ وسلّم قال لعلیٍ انت منّی بمنزلۃِ هارون من موسیٰ الّا انّہ لا نبیّ بعدی۔

ترجمہ موسیٰ الجہنی فرماتے ہیں کہ میں فاطمہ بنت علی کے پاس گیا تو میں نے ان کو کہا مجھے واقف کرو کہ کیا آپکے پاس کوئی چیز آپکے باپ سے ثابت ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اسماء بنتِ عمیس نے مجھے حدیث بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی المرتضیٰ کو فرمایا کہ تیرا رتبہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ (حضرت) ہارون علیہ السلام کا (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا مگر ہاں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔

تشریح اسنادہٗ صحیحٌ - رجالہٗ ثقاۃٌ

(احمد میرین البلوشی۔ خصائص امیر المومنین ص۵۸)

ارشاد ہے " تو میں نے ان کو کہا مجھے واقف کرو کہ کیا آپکے پاس کوئی چیز آپکے باپ سے ثابت ہے " یعنی آپکے والدِ گرامی جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی فضیلت اور عظمت پر کوئی حکم ہے یا حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

یا آپ رضی اللہ عنہا کے پاس قوی دلیل کے ساتھ ثبوت موجود ہے"۔ ارشاد ہے۔
"انہوں نے فرمایا کہ اسماء بنتِ عمیس نے مجھے حدیث بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی المرتضیٰ کو فرمایا کہ تیرا رتبہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ (حضرت) ہارون علیہ السلام کا (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔ مگر ہاں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں"۔ یعنی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت، عظمت اور بلندیٔ شان پہ یہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جامع ومانع قوی برہان اور دلیلِ ظاہرہ اور حجتِ قاہرہ ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہے۔

حواشی حدیث ۶۱

۱-۶۱: عمرو بن علی: عمرو بن علی بن بحر بن کنیز نام ہے۔ ابو حفص کنیت ہے۔ الفلاس الصیر فی الباھل البصری ہے۔ ثقہ ہے، حافظ ہے اور طبقۃ العاشرہ سے ہے۔ ۲۴۹ ھجری میں فوت ہوا۔ (التقریب ص ۲۶۱)

۲-۶۱: یحییٰ بن سعید: یحییٰ بن سعید بن فروخ التیمی کی کنیت ابو سعید ہے۔ ثقہ ہے، متقن حافظ اور امام ہے۔ طبقۃ التاسعۃ کے کبار سے ہے۔ ۱۹۸ھ ھجری میں فوت ہوا۔ (التقریب ص ۲۷۵)

۳-۶۱: موسیٰ الجہنی: موسیٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن کا لقب الجہنی اور کنیت ابو سلمۃ کوفی ہے۔ ثقہ اور عابد ہے۔ لم یصح ان القطان طعن فیہ۔ طبقۃ السادسۃ سے ہے۔ ۱۴۴ھ ھجری میں فوت ہوا۔ (التقریب ص ۳۵۱)

(جاری ہے)

تجلّیاتِ غوثیہ

از
مدیرِ اعلیٰ

سیر السلوک اِلیٰ ملک الملوک کے بعد محدّثِ کبیر حضرت شاہ محمّد غوث صاحب قادری گیلانی پشاوری ثم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی تصنیف "درکسب سلوک و بیان حقیقت و معرفت" کا اردو ترجمہ "تجلّیاتِ غوثیہ" کے نام سے قسط وار قارئینِ الحسن کی نذر کیا جا رہا ہے۔

بے حد حمد اور ان گِنت تعریف ہر ایک زمانہ میں ہر ایک طریق پر اور ہر ایک سے اُس حضرت واجب الوجود کو زیبا ہے کہ جس کی بخشش و عطاء سے تمام اشیاء کو وجود نصیب ہے بلکہ درحقیقت وہی عینِ وجود ہے اور دُوسرے تمام موجودات اسی کے وجودِ فیض سے موجود ہیں۔ اور لاانتہا درود اس اشرف المخلوقات (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) پر اس کے نور (مبارک) سے تمام کائنات تخلیق کی گئی۔ نیز درُود ہو آنجناب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اولادِ (امجاد) اور صحابہ (کرام) پر جو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تک پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ بعد ازاں بندہ ضعیف احقر خلق اللہ خاک پائے اہل اللہ مشہور بعیب ولوث محمّد غوث قادری بن سیّد حسن قادری کہتا ہے کہ اِس ناچیز نے سلوک و معرفت کے حصُول کا ارادہ کر کے اپنے والدِ گرامی قدر اور بعض دیگر بزرگانِ کرام سے جو استفادہ کیا اور اس عاجز کو اپنی استعداد اور نصیب کے مطابق جو کچھ میسّر آیا تو دِل میں یہ خواہش پیدا ہُوئی کہ سلوک کی ابتدائی منازل اور حقائق تحریر کروں شاید کہ پڑھنے والا دعا میں یاد کرے۔

اگرچہ سلوک و معرفت کی (صرف) باتیں اور ان کے معانی بیان کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک سالک اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق اُس مطلوبِ حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی نشاندہی کرتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اب تک اس کی کُنہہ کو کسی نے نہیں پایا اور نہ ہی اس کی حقیقت کو کوئی پا سکتا ہے چنانچہ حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

در رہِ عشق نشُد کس بیقیں محرمِ راز
ہر کسے بر حسبِ فہم گمانے دارد

(عشق کی راہ میں کوئی بھی شخص یقین کے ساتھ اس کے راز کو نہ پا سکا بلکہ ہر ایک اپنی اپنی سمجھ کے مطابق گمان کرتا رہا۔)

لیکن بات دراصل یہ ہے کہ صفاتِ بشری، صفاتِ الٰہی کے ظلال اور آثار ہیں اور درحقیقت بندہ کی نہ تو اپنی کوئی ذات ہے اور نہ ہی صفات چنانچہ کیا خُوب فرمایا کہ ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز و من چیزِ تُست (مولوی نظامی رحمۃ اللہ علیہ)

(مَیں اپنی کوئی ذاتی چیز لے کر نہیں آیا بلکہ میرے پاس جو کُچھ بھی ہے وہ تیری ہی عطا و عنایت ہے)

پس یہ تحریر جو اظہار کا ایک ذریعہ ہے اِس کا ارادہ بھی اسی کی جانب سے ہے لہٰذا اس کے بیان کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
مے بُرد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست (سعدی ؟)

(میری گردن میں جو پٹا پڑا ہُوا ہے وہ میرے دوست نے ہی ڈالا ہے جہاں اُس کی

مرضی ہوتی ہے مجھے اُس طرف کھینچ لے جاتا ہے۔)

حواشی: ۔ (۱) حمد: حمد کے معنی دراصل یہ ہیں کہ ذات کے کمالات لامتناہی صفات اور افعال کا اعتراف کیا جائے (سر دلبراں ص۹) حق تعالیٰ کی عظمت وجلال وکبریائی کا بیان اور اس کی ثناء وصفت منعم حقیقی کے انعامات کا احساس اور اس احساس کا افعال سے اظہار وہ افعال بذریعہ زبان ہوں خواہ بذریعہ ہاتھ پیر (سر دلبران ص)

۲ واجب الوجود: واجب الوجود اسے کہتے ہیں جس کا وجود اس کی ذات کا مقتضا ہو۔ (سر دلبران ص۳۳۱)

واجب الوجود یعنی لازم الوجود (سر دلبران ص۳۴۲)

۳ وجود: ہستیٔ ذات بحت، ہستی مطلق، واحدیت ذات کا وہ مرتبہ جہاں صفات سلب ہوں چنانچہ اس لحاظ سے حضرت الجمع پر بھی وجود کا اطلاق ہوتا ہے وجود چھ اقسام پر منقسم ہے۔ (۱) واجب الوجود یعنی لازم الوجود (۲) ممکن الوجود یعنی جسم مثالی (۳) ممتنع الوجود یعنی روح اضافی (۴) عارف الوجود یعنی اعیان ثابتہ۔ (۵) شاہد الوجود یعنی مرتبۂ وحدت (۶) واحد الوجود یعنی مرتبۂ احدیت (سر دلبران ص۳۴۲)

۴ عین: ذات حقتعالیٰ کے ساتھ اتحاد، ہستی حق میں گم ہونا، سالک کا ذاتِ حق میں محو ہو جانا اور لذّت وصال پانا، مقام بقا باللہ میں پہنچنا (سر دلبران ص۲۵) یہاں پر عین وجود سے مراد یہ ہے کہ حقیقت میں وجود تو صرف اسی ذاتِ اقدس حقتعالیٰ کا ہے۔

۵ نور: یہ ایک اسم ہے اسمائے الٰہی سے جو تقریباً مترادف ہے اسم الظاہر کے۔۔۔۔۔۔

۷ واسطہ: حق تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس واسطہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اہل بیت عظام اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین واسطہ ہیں جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ناممکن ہے۔ اسی طرح آپ کے اہلِ بیتِ عظام اور صحابہ کرام کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی ممکن نہیں۔

۸ مشحون بعیب ولوث:۔ عیب اور برائیوں سے آلودہ، جناب محدث کبیر شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی عجز و انکساری کا اظہار فرمایا ہے

۸ سلوک: خدا تک پہنچنے کا راستہ، بطریق سیر کشفی عیانی نہ بطریق استدلال ہے اور اس راستے پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ (سرِ دلبران ص ۱۹۹)

۹ حقائق: ہر چیز کی حقیقت ذاتِ واحد ہے اور ہر چیز کا شہود بطور خود ذاتِ واحد کی جانب راہ نمائی کرتا ہے۔ چنانچہ شہود اشیاء کثیرہ سے حقیقتِ واحدہ کی جانب جانا لفظ حقائق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (سرِ دلبران ص ۱۳۵)

۱۰ کُنہہ: اصل شے، حقیقت شے، جوہر شے، غایت (مصباح اللغات ص ۵۴)

۱۱: ظلال: اسماء الہی۔ (سرِ دلبران ص ۲۴۹)

۱۲: آثار: اسماء وصفات کے جمال وکمال کے مظاہر مثلاً معلومات اسم علیم اور مرحومات رحمت کے آثار ہیں۔

(جاری ہے)

حضرت علامہ صاحبزادہ سیّد نصیر الدین صاحب
نصیر گیلانی نبیرۂ اعلیٰ حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

غزل

حُسن کی بارگاہ میں رکھیے
دِل کو اُن کی نگاہ میں رکھیے

حوصلہ اُن کی چاہ میں رکھیے
وضع داری نباہ میں رکھیے

اُن کے کوُچے کی خاک ہے اکسیر
چُومیے، پھر کُلاہ میں رکھیے

جو ہمیشہ رہیں شریکِ سفر
ساتھ ایسوں کو راہ میں رکھیے

چھوڑیئے بھی مہ و نجوم کی بات
اُن کا چہرہ نگاہ میں رکھیے

مر ہی جائیں جو ہم کو مرنا ہے
کیوں انھیں اِشتباہ میں رکھیے

ہجر کی تیرگی سے باز آیا؟
اس کو زُلفِ سیاہ میں رکھیے

جو خُدا کی پناہ میں ہیں نصیر
خُود کو اُن کی پناہ میں رکھیے

تسخیرِ کائنات

الحاج صوفی مشتاق احمد صاحب ایم اے

پارہ ۲۱ - سورہ لقمٰن رکوع ۳ میں رب العزت نے شمس وقمر کی تسخیر کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ز کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّاَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ہ

تقریباً اسی قسم کے مضمون کا پارہ ۲۲ سورہ فاطر رکوع ۲ میں ذکر کیا گیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ز کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ط اس آیت میں وَاَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ہ کی بجائے ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ط کے الفاظ مبارکہ آئے ہیں ـــــ اللہ پاک انسان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کیا تو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ اللہ جل جلالہٗ رات کے ایک حصے کو دن میں داخل کر دیتا ہے۔ تو دن بڑا ہو جاتا ہے اور رات چھوٹی اور وہی کبھی دن کے ایک حصے کو رات میں داخل کر دیتا ہے تو رات بڑی ہو جاتی ہے اور دن چھوٹا، اور اسی قادرِ مطلق نے سورج اور چاند کو تم لوگوں کا مطیع کر رکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا ہے۔ اور اے لوگو! غور سے سنو کہ جو عمل بھی تم لوگ کر رہے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے یعنی اس کے احاطۂ علم سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

پارہ ۲۲ سورہ فاطر کہ یہ الفاظ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ط کے معنی ہیں:- اے لوگو! یہ وہی عظمت وشان والا خالق ہے جس نے تمہاری،

خدمت کے لئے کائنات میں رنگارنگ اشیاء پیدا کر کے تمہارے لیے مسخر کر دی ہیں۔ یاد رکھو کائنات کی سلطنت کا مالک خالق کن فیکون کی ذات بے ہمتا ہے۔ کائنات کی کوئی اور ہستی اگر سلطانِ کائنات ہونے کا دعوٰی کرتی ہے تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹی ہے کذّاب ہے۔ سلطانِ کائنات تو وہی ہستی ہو سکتی ہے جو خالق کائنات ہے جو ازل سے ابد تک حیّ و قیّوم ہے۔

وہ کون ہے جس نے کائنات کی تخلیق کر کے منجملہ دیگر لاتعداد محیر العقول عجائبات اُس کی تزئین شمس و قمر کے حیرت انگیز نظام سے کی۔

ہے کوئی ایسی شخصیت جو اِن منفرد خصوصیات کا دعوٰی کر سکے؟ یقیناً کسی ماں نے آج تک ایسی جامع الکمالات ہستی کو جنم نہیں دیا۔ یہ شرف تو میرے خدائے بزرگ و برتر کو حاصل ہے جو لاریب خدائے لایزال و بے ہمتا ہے کہ نہ اُسے کسی نے جنم دیا اور نہ ہی اُس نے کسی کو جنا۔

وہ خالقِ کائنات ایک ایسا مخفی خزانہ ہے کہ جس کے حُسن و جمال اور کمالِ بے مثال کی عظمت و شان حد و حساب و خیال و قیاس و گمان و وھم سے وراء الوریٰ ہے انسانی ذہن و فکر کی پرواز اُس مخفی خزانے کے کماحقہٗ ادراک سے عاجز ہے۔ اُس کے جمالیاتی رنگ کی وسعت اور تنوع کی مثال ایک یم بیکراں کی سی ہے کہ جس کی تہہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اُس کے کمال فن کا جمالیاتی ذوق اپنی بوقلموں رنگینی اور رنگ و آہنگ کے نُدرت و اعجاز کی وجہ سے کائنات میں قدم بہ قدم انسانی دِل و دماغ کو کشش ثقل کی مانند کھینچا چلا جا رہا ہے۔

مذکورہ ہر دو آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خالقِ کائنات نے لیل و نہار کے نظام میں تغیّر و تبدّل اور شمس و قمر کی حِدّت و برودت کو انسانی

فلاح وبہبود کے لیے پیدا کیا ہے اگر کائنات میں لیل ونہار اور شمس وقمر کا نظام نہ ہوتا تو شاید کائنات کی یہ شکل وصورت نہ ہوتی۔ بہرکیف صورتِ حال جو کچھ بھی ہو یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کائنات میں کوئی چیز بھی فالتو اور بے مقصد نہیں پیدا کی گئی۔ کائنات کا نظام اللہ پاک نے کچھ اس طرح سے منضبط کیا ہے کہ دیے سے دیا جلتا ہے ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا اور پھر چشمِ بینا دیکھتی ہے کہ لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں بلکہ اس سے بہت زیادہ دیے کائنات میں جھلملا رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کے اسرار ورموز کی کُنہہ تک پہنچنے کی جدوجہد کرنے والے جانتے ہیں کہ اِن چراغوں کو ضیاء ونور کی جھلملاہٹ دینے والی قوتِ متحرکہ ایک ایسا مصباح (چراغ)[1] ہے جو ستارے کی مانند درخشندہ فانوس میں روشن ہے اور زیتون کے مبارک درخت سے چمک رہا ہے اس چراغ کا تیل دیا سلائی جلائے بغیر جلنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ کائنات میں جتنے بھی روشن اجسام ہیں اُسی کی ضیاء پاشی کے صدقے منور ہو رہے ہیں۔ چاند ایک بھدا اور بے نور سیارہ ہوتا اگر رب کریم اُسے سورج کی تابندہ شعاعوں کے ذریعے ضیاء ونور سے مزین نہ کرتا۔ علامہ اقبال چاند کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ؎

آہ میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دید سے
تو سراپا سوز، داغِ منتِ خورشید سے

---

[1] اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ..... نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (پ ۱۸ سورہ النور ۳۵)

چاند رب کریم کی اسی عنایت کے طفیل کائنات میں حسن و جمال کا ایک سُنبل قرار پایا۔ محبوب کے چہرۂ زیبا کو ماہِ تمام سے تشبیہہ دے کر اس کے حسن زہد شکن کو چار چاند لگانے کی سعی دل آویز ہے۔ یہ تو تھی چاند کی گوناگوں صفات میں سے ایک انتہائی دلکش و دلربا تصویر جسے شاعر و ادیب اپنے تخیلات کی لوح پر رنگین و حسین الفاظ کی مدد سے نقش کرتا رہتا ہے۔ چاند کے اس جمالیاتی روپ کے مشاہدے کے بعد اب ذرا اس کے طبعی رُخ کی کرشمہ گری دیکھئے۔ زمین پر پائے جانے والی بہت سی چیزیں اس سے متاثر ہوتی ہیں۔ وہ خود کئی اجرامِ فلکی سے متاثر ہوتا ہے اسی تاثیر پذیری اور تاثیر افشانی سے کائنات کا وجود، ضبط و نظم اور حسن و جمال قائم ہے۔ قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ کیجئے۔ چاند کی کشش کی وجہ سے سمندر کی لہریں مخصوص ایام میں سطحِ سمندر سے دس سے پندرہ فٹ تک اوپر چڑھتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ اتر جاتی ہیں پانی کے اس اُتار چڑھاؤ کو مدوجزر یا جوار بھاٹا کہتے ہیں۔ یہ نیا چاند (اماوس) کے طلوع اور چودھویں چاند (پورن ماشی) کی رات کے ظہور پر وقوع پذیر ہوتا ہے یہ چاند کی سات یا آٹھ تاریخ اور اکیسویں یا بائیسویں تاریخ کو بھی واقع ہوتا ہے مدوجزر سے انسان کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

اس کی لہریں :۔ (۱) جہاز رانی میں بڑی مدد دیتی ہیں۔ (۲) بندرگاہوں کے ڈیلٹاؤں سے جمع شدہ مٹی کوڑا کرکٹ اور غلاظت کو بہا کر لے جاتی ہیں۔ اور بہت سی بیماریوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ (۳) بڑی بڑی مچھلیوں کو ساحل کے قریب لے آتی ہیں جس سے ماہی گیری میں آسانی پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۴) سمندر میں پائی جانے والی سیپیاں، گھونگھے کوڑیاں اور قیمتی پتھر ساحل

کے اوپر بکھیر دیتی ہیں جس سے ہزاروں انسان رزق کماتے ہیں۔

اگر چاند کی کشش کی وجہ سے مدوجزر نہ ہوتا۔ تو انسان مذکورہ فوائد سے محروم رہتا۔ اب ذرا قرآن پاک کا اعجاز ملاحظہ فرمائیں دین و دنیا کا وہ کونسا شعبہ ہے کہ جس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے۔ اس میں دین بھی ہے۔ ایمان بھی ہے، علم بھی معرفت بھی ہے۔ تاریخی حقائق و واقعات بھی ہیں اور جغرافیہ کے بنیادی مسائل اور کچھ حد تک فروعی جزئیات بھی ہیں۔ سائنس کے مبادیات بھی ہیں اور تحقیق و تجسس کی طرف رہنمائی کرنے والے اصولوں کا تذکرہ بھی ہے، معاشیات معاشرت و تمدن، اخلاقیات اور ازدواجی مسائل وغیرہ سبھی کچھ کا ذکر ہے اگر قرآنی مضامین کی فہرست مرتب کی جائے تو اس کے لیے ان گنت دفاتر کی ضرورت ہوگی۔ اس ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" (پ ۱۴ - النحل رکوع ۱۲) "یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جس میں (طویل و عریض کائنات کی لامحدود پنہائیوں اور اتھاہ گہرائیوں کے اندر پائی جانے والی)، ہر ایک چیز کا بیان ہے۔

فی الوقت یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن پاک میں جغرافیائی حقائق کے ضمن میں رات دن اور شمس و قمر کا ذکر اجمالی طور پر کر کے اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ سب مظاہر انسان کے لئے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ انسان کتنا خوش نصیب ہے کہ اک ننھی سی جان کے لئے اللہ پاک نے عظیم الجثہ اور جلیل المرتبت اجرامِ فلکی کو مسخر کر دیا ہے۔ انسان اس عزت افزائی اور تصرف آفرینی کے لیے خداوند بزرگ و برتر کا جتنا بھی شکریہ ادا کرے کم ہے۔

اب ذرا شمس کی ماہیت پر غور کیجئے۔ سورج پگھلی ہوئی دھاتوں کا اک

دھکتا ہُوا آتشیں گولہ ہے جس سے مختلف قسم کی گیسیں مسلسل نکل رہی ہیں اور خلاؤں اور فضاؤں کو چیرتی ہُوئی، سطحِ زمین تک پہنچ رہی ہیں اس نزولی سفر میں نہ جانے اَن گِنت جراثیم (جو فضاؤں میں موجود ہوں گے اور وُہ ذی رُوح مخلوق کے لیئے مضرت رساں ہوں گے) ان گیسوں کی شعاعوں سے لُقمۂ اجل بن جاتے ہوں گے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ زمینی سفر کے دوران راستے میں بے شمار اجرام یا اجسام کے ساتھ ان شعاعوں کے دانستہ یا نادانستہ اختلاط و اختلال کے عمل کی وجہ سے کئی طبعی یا کیمیائی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہوں گی۔ جو ذی رُوح مخلوق کے لئے باعثِ راحت و رحمت ہوں گی۔ یہ تو شاید محققین کی نگاہِ دُور بین ہی بتا سکتی ہے یا پھر خالقِ ذوالجلال، کہ علیم بھی ہے، سمیع بھی ہے، بصیر بھی ہے۔ وہی ہر چیز کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔ خواہ وُہ ظاہر ہو کہ باطن یعنی آشکارا ہو یا دبیز تہوں کے نیچے چھپی ہُوئی ہو۔

جب سُورج کی شعاعیں سطحِ زمین پر پہونچتی ہیں تو ان کا تعمیری عمل شروع ہو جاتا ہے۔ شعاعوں کی حِدّت سے اناج، غلّہ، چارہ، سبزی، پھل پھُول اور جڑی بُوٹیاں تیار ہوتی ہیں جو نہ صرف انسان بلکہ حیوانات، حشرات یعنی کیڑے مکوڑے اور رینگنے والی مخلوق کے لیے خوراک مہیا کرتی ہے۔ نیز باغ و راغ اور سبزہ و چمن زار کو زندگی اور تابندگی میسر آتی ہے اللہ کی یہ سب نعمتیں پانی کی مرہُونِ منت ہیں۔ اور پانی سُورج کی شعاعوں اور سمندر کے ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کہ بارش کے جغرافیائی مراحل کا ذِکر کیا جائے ہم یہاں یہ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ خالقِ کائنات نے ہوا، بادل اور بارش کے باہمی ربط و ارتباط کی وضاحت کچھ ایسے انداز میں کی ہے کہ جغرافیہ دانوں کی تحقیقات نے اُس کے آگے سَرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو ارشادِ خداوندی ۞ اَللّٰہُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ

سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ

(پ ۲۱: سورۂ الروم ع ۱۳) "اللہ ہی وہ قادرِ مطلق ہے جو سمندر سے اُٹھنے والے بخارات کی طرف) ہواؤں کو بھیجتا ہے وہ ہوائیں بادلوں کو سطحِ سمندر سے اُوپر کی طرف اُٹھاتی ہیں پھر وہ خالقِ اکبر جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے۔ کبھی بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اِذنِ سفر دیتا ہے جیسے کہ اُس کی مرضی ہوتی ہے پھر دیکھنے والی آنکھ دیکھتی ہے کہ بارش کے قطرے بادل کے سینے کو چیرتے ہوئے بیچ میں سے نکلے چلے آ رہے ہیں۔ اور جس مخلوق پر اللہ پاک مہربان ہوتا ہے بارش ان کے علاقے پر برسا دیتا ہے۔ یُوں وُہ خوش قسمت خوشیاں مناتے ہیں۔

آئیے ان آیاتِ کریمہ کی توضیحات کا موازنہ جغرافیہ دانوں کی تحقیقات کے ساتھ کریں۔ علمِ جغرافیہ کے ماہر کہتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں سورج کی شعاعیں جب مسلسل سمندر پر چمکتی ہیں تو تپش کی وجہ سے بخارات بھاپ کی مانند اُوپر کو اُٹھتے ہیں بلندی پر جا کر بخارات دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں کچھ حصّہ خطِ استوا سے شمال کی طرف اور کچھ حصّہ جنوب کی سمت جاتا ہے۔ بخارات کا یہ سفر بلند سے بلند تر ہوتا جاتا ہے جُوں جُوں بلندی زیادہ ہوتی جاتی ہے تو خنکی بھی زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے حتّٰی کہ ایک مقام ایسا آتا ہے کہ بخارات منجمد ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور بوجھل ہو کر بارش کے قطروں کی شکل میں برسنے لگتے ہیں۔ یوں بارش کے پانی، زمین اور دھوپ کی شعاعوں کے ملاپ کے نتیجے میں چہار دانگ عالم کے طول و عرض پر زندگی تابندگی، حُسن و جمال کی دِلآویزی اور فیوض و برکات کے خزانے جنم لیتے ہیں۔ اس طرح خیرالرازقین اپنی مخلوقات کے لیے رزق کا بندوبست کرتا ہے۔ شاعرِ مشرق نے بانگِ درا میں آفتاب کی صبح نمائی

(باقی صفحہ ۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

اِستِفتاء مع الجواب

حضرت علامہ مفتی مولانا
خلیل الرحمٰن صاحب قادری
نقشبندی گلوزوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ اولیائے کرام و بزرگانِ دین کا عُرس مناتے ہیں اور روزِ عُرس ایصالِ ثواب کے لئے ختم قرآن کریم اور طعام و شیرینی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ کیا عُرس منانا اور ان امور کا کرنا جائز ہے یہاں ایک صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ عُرس منانا اور طعام وغیرہ کا اہتمام کرنا سب ناجائز ہیں۔ دلیل کے طور پر فتاویٰ رشیدیہ میں ص ۱۴۷ پر یہ عبارت پیش کرتا ہے۔ (عبارت) کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی سا عُرس اور مولود درست نہیں۔ انتہائی مہربانی فرما کر عرس کی شرعی حیثیت اور بزرگانِ دین کا عُرس منانا بمعہ امور مندرجہ جائز ہے کہ نہیں۔ بیّنوا توجروا

العارض

قاری محمد یاسین، اسلام آباد ۹۵/ ۵/ ۱۵

الجواب

واضح ہو کہ عُرس اولیاء کرام و بزرگانِ دین کا منانا ایک جائز اور مُباح امر ہے بعض حضرات کا اختلاف جواز اور اباحت عرس میں مخل نہیں ہو سکتا تحقیقِ دقیق کے بعد جید علماءِ کرام مشائخ عظام اولیاء کرام اس فعل کو مستحسن جان کر کرتے چلے آئے ہیں اور بمصداق ماراہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن کے امر مستحسن ہے۔ ہزاروں بزرگانِ دین کے اعراس میں ہزاروں علمائے کرام بزرگانِ دین بہ نفس نفیس جمع ہوتے ہیں اور کسی نے اس پر اعتراض

نہیں کیا البتہ بعض جہلاؤں کے بعض ناشائشتہ حرکات کی وجہ سے اگر کسی نے اس پر اعتراض کر دیا تو اسے اعراس کے مستحسن ہونے پر کوئی آنچ نہیں آتی، جیسے کہ صاحب تفسیر مظہری نے ناجائز لکھا ہے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے غیر مشروع امور و حرکات کو دیکھ کر عُرس کے ناجائز ہونے پر فتویٰ جڑ دیا ہو۔

حضرت شیخ محقق محدث عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے (ما ثبت من السنۃ) میں اپنے شیخ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ عرس زمانِ سلف میں نہ تھا متأخرین کے مستحسنات سے ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے مکاتیب میں لکھتے ہیں اور تعین عرس اس لئے ہے کہ اسی دن صاحب عرس نے انتقال کیا ہے ورنہ جس دن، عرس کیا جائے فلاح و نجات کا باعث ہے۔

اخرج ابن جریر عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ علیھم اجمعین معہ۔

ترجمہ:۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال کے شروع میں قبور شہداء پر جاتے اور فرماتے "تم پر سلامتی ہو اس لئے کہ تم نے صبر کیا دار آخرت بھی کیا خوب ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہوتے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عُرس کی اصلیت کو حدیث مذکورہ سے ثابت فرمایا ہے جس پر وہ خود اور ان کے مشائخ حضرات

عمل پیرا رہے ہیں ہمارے جواز عرس پر یہی دلیل کافی ہے فافہم فتاویٰ عبدالحیٔ (جلد اص ۳۴۲) عرس میں جو کھانا مہیا کیا جاتا ہے اس کے بارے میں فتاویٰ عبدالحیٔ میں ہے: "جو کھانا ضیافت کے لئے پکایا جائے اس کا کھانا امیر اور غریب سبکو جائز ہے اور جو تصدق کیلئے پکایا جائے تاکہ اس کا ثواب میّت کو پہونچے اس کا کھانا فقراء کے سوا دوسروں کو ناجائز ہے کیونکہ تصدق فقراء کے لیے اور ہدیہ اغنیاء کے لیے ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ا ص ۱۴۲)

حضرت الحاج الحافظ مولٰنا شاہ محمد امداد اللہ صاحب پیر و مرشد اکابرین علمائے دیوبند۔ فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ (تیسرا مسئلہ عرس) لفظ عرس ماخوذ اس حدیث سے ہے نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ یعنی بندۂ صالح سے قبر میں کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر کیونکہ موت مقبولان الٰہی کے حق میں وصالِ محبوب حقیقی ہے اس سے بڑھ کر اور کون عروس ہوگی چونکہ ایصال ثواب بروح اموات مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں ان کا زیادہ حق ہے اور پھر اپنے پیر بھائیوں سے ملنا موجب ازدیاد محبّت و تزائد برکات ہے (انتہیٰ کلام شاہ صاحب)

انتباہ: حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے عرس منانا اور طعام وغیرہ امور سب جائز ہیں بلکہ برکات کے باعث ہیں۔ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مُرادآبادی فرماتے ہیں بزرگانِ دین کے مزارات پر ان کی وفات کے دن جو لوگ زیارت و ایصال و ثواب و حصول برکات کیلئے سالانہ حاضر ہوتے ہیں اس کو عُرس کہتے ہیں (غیاث اللغات) میں ہے:۔
"مجازاً بمعنی مجلس طعام فاتحہ بزرگان کہ بروز وفات بعد از سالے کنند۔

چراکہ رحلت از غمکدۂ دنیا بمنزلۂ شانِ عروسی است بحق عاشقان حق جل علیٰ شانہٗ،

(توضیحات فیصلہ ہفت مسئلہ صہ۱۷)

آگے چل کر مولانا نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں" اس میں کوئی شبہ نہیں کسی شک کی اصلا گنجائش نہیں کہ عرس و فاتحہ کو علماء، وصلحاء و فقراء و اولیاء و مشائخ کرام صوفیائے عظام اور عامہ اہل اسلام شرق تا غرب، عرب تا عجم اسی تعین تاریخ و تخصیص یوم و وقت کے ساتھ کرتے اور اسے بہتر و مستحسن جانتے آئے ہیں (توضیحات ہفت مسئلہ صہ۱۷)

بالجملہ عند اھل السنۃ والجماعۃ اموات کے لئے اگر دعائے مغفرت کی جائے یا کوئی صدقہ بہ نیتِ ایصالِ ثواب ارواحِ اموات کے لیے فقراءُ و مساکین کو کھلایا جائے تو یقیناً اس سے اموات کو فائدہ پہونچتا ہے۔

حضرت علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں فرمایا ہے۔ وفی دعاء الاحیاء وصدقتھم ای صدقۃ الاحیاء عنھم ای عن الاموات نفع لھم ای للاموات خلافاً للمعتزلۃ (شرح عقائد نسفی صہ۱۲۲)

ترجمہ:- زندوں کی طرف سے دعاء وصدقات مُردوں کو نفع دیتے ہیں اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔

ابوداؤد و نسائی شریف میں حدیث شریف آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہٗ کی والدہ فوت ہوئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہٗ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میری والدہ فوت ہو چکی ہے پس کون سا صدقہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی بہترین صدقہ ہے تب حضرت سعد رضی اللہ عنہٗ نے ایک کنواں

پانی کا کھودا اور فرمایا بئرِ اُمِّ سعد یہ اُمِ سعد کا کنواں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عُرس بزرگانِ دین و طعام واسطے ایصال ثواب و تلاوت قرآن کریم و دُعاء و استغفار یہ تمام اُمور شرعاً مستحسنات میں سے ہیں اور مجموعۂ مستحسنات مستحسن ہی ہوتا ہے پس عُرس بزرگانِ دین و طعام بہ نیت ایصالِ ثواب بہ ارواحِ اموات و تلاوت قرآن کریم وغیرہ امور خیر بلاریب جائز اور باعث خیر و برکت ہیں۔

البتہ اس پُر فتن زمانہ میں بعض مبتدعین صُوفی نما بنام عُرس جو محفل منعقد کرتے ہیں اور امورِ غیر مشروع کے مرتکب ہوتے ہیں جیسے مزامیر وغیرہ تو اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

جیسے کہ رافع الالتباس میں درج ہے۔ وآنچہ مبتدعین صُوفی نما ھا در بدل عُرس موصوف اجتماع ذکور و اُناث و استعمال آلات ملاہی و کف زدنِ ملنگ ہائے بازاری و دیگر دف و دھل را عرس نامیدہ اند قطعاً اصلی ندارد و نہ اساسی بلکہ بمضمون حدیث شریف من سن سنۃ سیئۃ الخ داخل عتاب میشوند (رافع الالتباس فی معرفۃ مواقیت الاعراس ص)

ترجمہ :- اور بعض بدعتی لوگ صوفیائے کرام کے لباس میں اس طریقۂ عرس کو جو جائز ہے چھوڑ کر جمع ہوتے ہیں جس میں مرد و زن بلا پردہ شریک ہوتے ہیں اور جس میں آلات ملاہی یعنی گانے بجانے کے آلات بھی ہوتے ہیں اور ملنگ تالیاں بجاتے ہیں اور ناچتے ہیں اور چنگ و رباب ڈھول وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور اس کا نام عُرس رکھتے ہیں تو ایسے عُرس کی کوئی بنیاد اور اصل اسلام میں نہیں ہے بلکہ بمصداق حدیث شریف من سن سنۃ سیئۃ الخ کے مورد عذاب و عتاب ہیں۔ (رافع الالتباس ص)

رہی عبارت فتاویٰ رشیدیہ کی تو مقام غور ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب

کے پیر و مُرشد حضرت شاہ محمد امداد اللہ صاحب تو عُرس کو جائز کہتے ہیں بلکہ عرس کو موجب ازدیاد محبت و تزائد برکات سمجھتے ہیں اور حضرت شاہ صاحب بہ نفس نفیس محفل عرس و مولود شریف میں شرکت بھی فرماتے ہیں اور ادھر مولٰنا رشید احمد صاحب عُرس مولود شریف کو بدعت اور ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اسی لیے فتاویٰ رشیدیہ کے فتوے اکثر و بیشتر قابل عمل نہیں ہیں، کیونکہ خلاف مسلک اہل سُنت ہیں۔ اور یہ کتاب عند اہل السنۃ والجماعۃ کسی طرح بھی معتمد قابل عمل نہیں۔

بقیہ صفحہ ۲۱

کا بیان کس خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

ے اے آفتاب رُوح و روانِ جہاں ہے تُو
شیرازہ بند دفترِ کون و مکاں ہے تُو
قائم یہ عنصروں کا تماشہ تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے

الحاج علاء الدین
صاحب عدیم
(ایم اے)

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

اپنی ڈائری سے چند اوراق

روضۂ رسولِ مقبول سرورِ انبیاء محمدِ مصطفےٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر حاضری اور زیارت بیت اللہ شریف کبھی اس بندۂ پُر تقصیر حقیر و ناتواں کو بھی نصیب ہو سکتی ہے۔ اس کا وہم و گمان بھی کبھی نہیں گزرا تھا۔ اور آج جب سوچتا ہُوں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کیونکر ممکن ہُوا، مگر جب اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظرِ کرم شاملِ حال ہو تو پھر بھلا کون سی مُراد ہے جو پُوری نہ ہو سکتی ہو۔ بچپن میں کہ جب ابھی سن شعور کو نہیں پہونچا تھا اپنے والدِ گرامی کی زبانی ان کے سفرِ حجاز کے واقعات کئی بار سُننے کا موقع ملا جو وہ اپنے احباب کو سُنایا کرتے تھے۔ اُن کو بفضلِ مولا عالمِ شباب ہی میں حج کی سعادت نصیب ہو گئی تھی۔ شادی کے بعد ابھی پہلا بچہ (حافظ نور محمد) چند ماہ کا ہوگا کہ اسے بنگوڑے میں ہمکتا چھوڑ کر جو پشاور سے گئے تو پورے دو سال گزار دیے۔ واپسی کا ارادہ قریب قریب ترک کر چکے تھے۔ مگر ہُوا یوں کہ جب بغداد شریف میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کی بارگاہِ عالی میں پہنچے تو ایک روز جناب متولی کی نظر نہ پڑنے کے باعث حضور غوثیت مآب کے مرقدِ پاک پر حجلۂ نورانی کے اندر ہی رات کو بند پڑے رہ جانے کی سعادت کُبریٰ حاصل ہو گئی۔ ذکر و فکر میں مشغول وہاں ذرا سی دیر کے لیے جو اونگھ آ گئی تو حضرت محبوبِ سُبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خود خواب میں تشریف لائے۔

اور حکم فرمایا "محمود! فوراً واپس پشاور اپنے اہل و عیال کے پاس جاؤ!" بس پھر کیا تھا گھبرا کر آنکھ کھل گئی اور صبح ہوتے ہی الوداعی سلام عرض کر کے واپسی کا رخت سفر باندھا۔

والد مرحوم کی زبانی ان کے سفر حج کے واقعات سن سن کر شعور میں جمع ہوتے رہے تھے۔ اس وقت میں کوئی چھٹی ساتویں جماعت کا طالب علم تھا، ابھی عملی زندگی میں قدم نہیں رکھا تھا۔ اور نہ ہی ان فرائض و عبادات کی اہمیت کا احساس تھا۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ کبھی یہ سعادت اپنے نصیب میں بھی ہو گی یا نہیں ایک عجیب بات جو والد مرحوم اُن دنوں سُنایا کرتے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آتی تھی یہ ہے کہ ان کے بقول کعبۃ اللہ کو جہاں سے بھی کھڑے ہو کر دیکھو ہر جگہ بلند و بالا ہی نظر آتا ہے۔ کافی لمبے عرصے تک مجھے اس بات کی کرید رہی کہ آخر یہ کیا راز ہے۔ آج کل تو حرم شریف کے اندر بھی گرداگرد تین چھتوں کے دالان بن چکے ہیں اور باہر شہر میں تو کوئی عمارت سات آٹھ منزل سے کم نہیں۔ اب جبکہ وہاں کا شرف باریابی بھی حاصل ہو چکا ہے تو اب جا مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ بے شک ان دنوں اتنی بلند عمارات مکہ معظمہ میں نہیں ہوں گی مگر والد صاحب جو کعبہ مکرمہ کے بارے میں ذکر کیا کرتے تھے تو یہ ان کی اپنی کیفیت کا ایک احساس تھا، ویسے اگر حق بات عرض کی جائے تو آج بھی حرم شریف میں پہنچ کر زیارت بیت اللہ نصیب ہو جائے تو اس کی ایسی جلالت اور رفعت شان دل میں گھر کرتی ہے کہ انسان مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب روئے ارض پر اس بیت العتیق کا براہ راست تعلق آخری آسمان پر واقع بیت المعمور کے ساتھ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اگر وہاں سے ایک پتھر بھی پھینکا جائے تو سیدھا کعبہ کی چھت پر گرے گا۔ اور پھر جہاں حرم شریف میں آٹھوں پہر اللہ کی مخلوق مرد و زن، بوڑھے جوان

طوافِ کعبہ میں مشغول نظر آتے ہیں اور سوائے نماز کے اوقات کے کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ دن رات میں کسی بھی وقت کعبہ کا طواف نہ ہو رہا ہو۔ اسی طرح یہاں اور وہاں از ارض تا سماء نوری مخلوق فرشتے بھی طواف میں مشغول رہتے ہیں تو ایسے مقام پر انوارِ ربانی کی بارش نہ ہو تو اور کیا ہو۔

ویسے تو حدودِ حرم اسی مقام سے شروع ہو جاتی ہیں جہاں مکہ شریف کو جاتے ہُوئے راستہ میں نمایاں طور پر لکھا ہُوا نظر آتا ہے کہ یہاں سے آگے غیر مسلموں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس طرح جدہ سے یہاں تک پہنچنے میں جو ہر عمارت پیاری سی لگتی ہے۔ یہاں سے آگے پیار کے ساتھ ہی ساتھ اس میں تقدس کا احساس بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اسی حالت میں حرم شریف سے ذرا قریب پہنچنے پر سب سے پہلے اس کے بلند و بالا روشن میناروں پر نظر پڑتے ہی دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جب باب السلام یا حرم پاک کے کسی بھی دروازے سے اندر داخل ہونے کا شرف حاصل ہو تو ایک دم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باہر کی دنیا کچھ اور تھی اندر کا ماحول اس سے قطعی مختلف ہے۔ پاس ادب سے اِدھر اُدھر دیکھنے کی اجازت تو نہیں سر جھکائے آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ مگر ہر قدم پر از خود رفتگی کا احساس ہے کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کعبۃ اللہ پر پہلی نگاہ پڑتی ہے تو انسان اپنے، آپ کو بھی بھول چکا ہوتا ہے۔ جن دُعاؤں کے مانگنے کا پروگرام دِل میں طے کر رکھا ہو، ایک لحظہ کے لئے اس وقت کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔

بعینہٖ یہی حالت حرم مدینہ طیبہ میں بھی درپیش ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں شعوری طور پر اپنے ہوش و حواس کو برقرار رکھنا پڑتا ہے کیونکہ —

ع با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

یہ احساس تو مکہ مکرمہ سے روانگی کے وقت ہی طاری ہو جاتا ہے کہ اب حاضری دربار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں دینے کا وقت آ رہا ہے جس میں بہت زیادہ حزم و احتیاط اور ادب آداب کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس سفر میں وقت رات کا ہو تو حرم پاک کے نورانی روشن مینار کئی کئی فرلانگ دُور سے باصرہ نواز ہونے لگتے ہیں اور خوش نصیب زائرین درود و سلام کا وِرد شروع کر دیتے ہیں بلکہ بعض اہل دل تو سفر کے آغاز سے ہی اس شغل میں لگ جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے مسجدِ قبا کے قریب سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے اور مشتاقانِ دید کی نگاہیں سب سے پہلے اسی کے بلند میناروں کو چومتی ہوئی آگے گزرتی ہیں۔ یہ وہی مسجد ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے تعمیر فرمایا اور جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے اور اس کی فضیلت ہے کہ یہاں پہنچ کر دوگانہ ادا کرنے والے کو ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ حرم شریف کے قریب پہنچ کر باہر سے اس کے مینارہ ہائے نور اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مولائے کُل ختمِ رُسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گُنبدِ خضریٰ پر نظر پڑتی ہے تو دل و نگاہ ایک عجیب طرح کی کیفیت کے احساس سے سرشار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اندر اصحابِ صُفّہ کا چبوترہ حجرۂ مُبارکہ کے بالکل عقب میں ہے۔ یہاں پر ہر طرح کی تلاوت و عبادت کا ایک لُطفِ خاص یہ ہے کہ روضۂ انور کی جالی پاک بالکل سامنے کی طرف ہوتی ہے۔ اس چبوترہ پر اہلِ باطن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نسبتِ خاص رکھنے والی ہستیوں میں سے کُچھ حضرات ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ میں نے ایک دو حضرات کو اپنے دورانِ قیام تواتر کے ساتھ انہیں وہاں پر موجود دیکھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے آپس میں کوئی بات کی تو مجھے محسوس ہوا گفتگو

عربی میں نہیں اردو میں تھی۔ اور ایک مرتبہ حرم شریف کی لائبریری میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایک شیلف اردو کتب کے لیے بھی مخصوص تھا ایک عرب درویش صفت شخص کو دیکھا وہ سیاہ باریک کپڑے زیب تن کیئے ہوئے ہمیشہ مسجد کے ایک حصہ میں مخصوص ستون کے ساتھ اس طرح بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے کہ وہاں سے کئی گز دور روضۂ انور کی سبز جالی مبارک ہمیشہ ان کے سامنے رہتی۔ کئی بار دل میں آیا قریب جا کر عربی میں پوچھوں " مِنْ اَیْنَ اَنْتَ یَا سَیِّدِیْ؟" پھر دل ہی دل میں شرمسار ہو گیا کہ یہ کیا غیر معقول سوال ہوا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ اس کو غنیمت جانا کہ انہوں نے میرے سلام اور مصافحہ کا جواب دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ دیا اور جو نذر پیش کی اسے لینے سے انکار نہیں کیا۔

یہ حالات سفر بہت تردد کے ساتھ لکھے کہ مبادا یہ کہیں ریا اور تکبر کے زمرہ میں شامل نہ ہو جائے مگر پھر خیال آیا تحدیثِ نعمت بھی تو اللہ کا شکر کرنے کے مصداق ہے۔ کفرانِ نعمت نہیں کرنی چاہیئے۔ اس لیے ذاتی ڈائری سے یہ اقتباس اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔ ؎

مشرف شد جامی ز لطفش
خدایا ایں کرم بارے دِگر کن